تلافی

Talafee

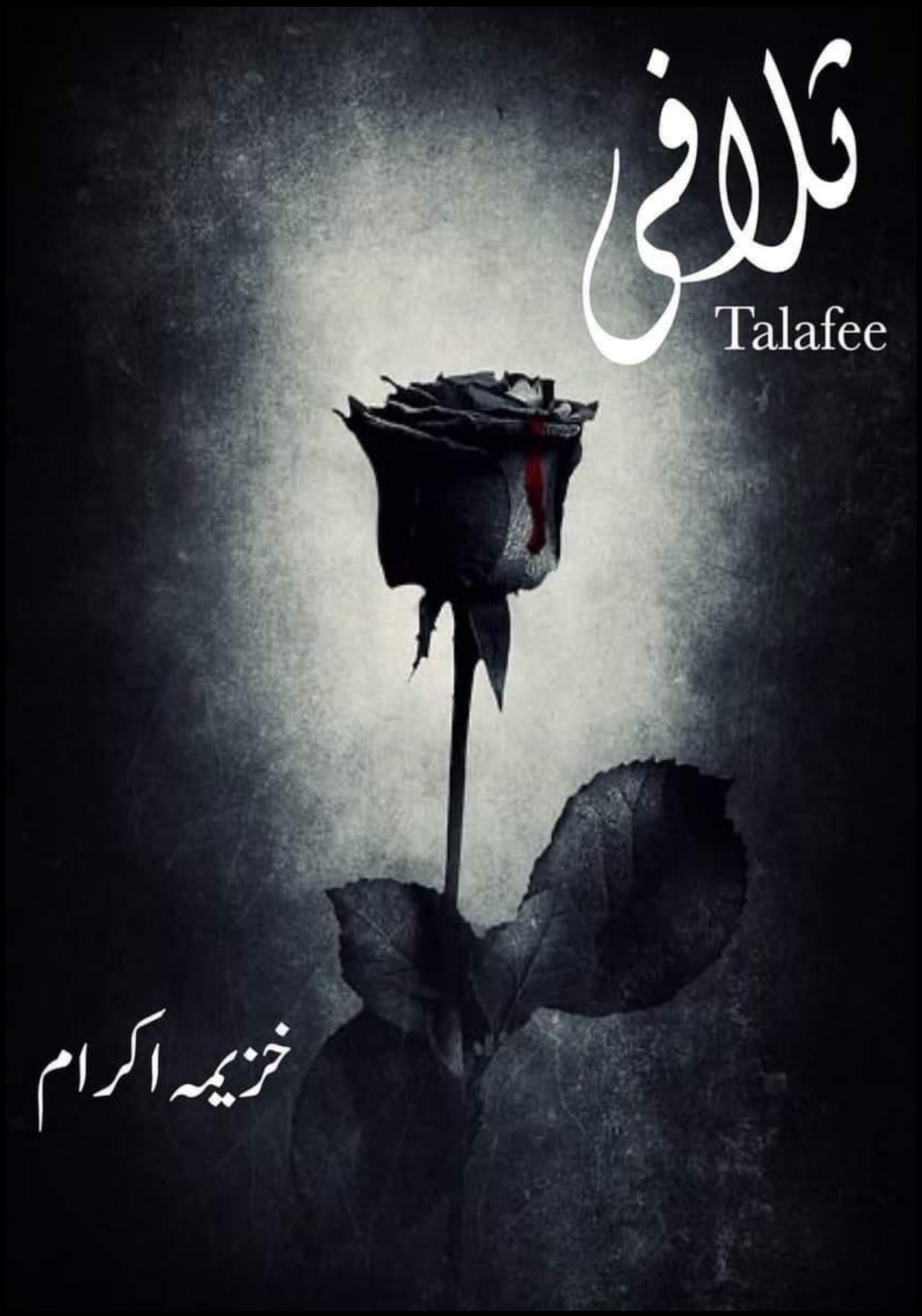

خزیمہ اکرام

شام کا وقت تھا۔

"یار میں بہت پریشان ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی اندھے کنویں میں جا گرا ہوں اور باہر نکلنا ناممکن ہے۔ مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ مقروض ہونا انسان کو کتنا بے بس کر دیتا ہے۔ کس کس کے پاس نہیں گیا میں اپنی پریشانی لے کر مگر مشکل وقت میں اپنے بھی منہ موڑ لیتے ہیں۔ میں بہت امید لے کر تمہارے پاس آیا ہوں یار۔ تم ہی میری مدد کر سکتے ہو۔ مجھے اس قرضے کی دلدل سے نکال دو۔ تمہارے مجھ پہ احسان ہو گا نادر۔" عماد نے اپنا سارا حال نادر کو سنا دیا۔ اس کے چہرے پہ بے بسی صاف رقم تھی۔ وہ پریشان بھی لگتا تھا۔ اس نے بہت امید بھری نگاہوں سے اپنے دوست نادر کو دیکھا تھا۔

نادر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا، بلکہ نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا جس کا لمبا کش لگاتے ہوئے اس نے عماد کی بات سنی اور بات ختم ہونے کے بعد اس نے سگریٹ کا دھواں ہوا میں چھوڑا۔ ایک پل کے لیے اس کا چہرہ دھویں میں گم ہو گیا تھا۔ عماد کی امید بھری نظریں وہیں جمی تھیں۔

"عماد، عماد.....بے چارے عماد۔ آج اتنے رعصے بعد دوست کی یاد آ ہی گئی تجھے۔ یاد ہے ناں کیسے لڑ کر گیا تھا تو یہاں سے۔ اور کیا کہا تھا تو نے؟" اس نے نظریں چھت کی طرف پھیریں جیسے سوچنے لگا حلانکہ اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اسے سب یاد تھا۔ "ہاں.....(اس نے ہاں کو لمبا کھینچا) تو نے کہا تھا کہ تو میری شکل تک نہیں دیکھے گا آئندہ کبھی۔ تو بدمعاش ہے.....جواری ہے..... شرابی کبابی ہے۔ بلاہ بلاہ بلاہ....." اس نے تمسخر اڑانے والے انداز میں کہا۔ "اب تو کس منہ سے آیا ہے اس شرابی، جواری کے پاس؟"

نادر کے بعنے عماد نے صبر کے گھونٹ بھر بھر کر پیے۔ وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا؟ بے بس انسان کبھی کچھ کہنے کے لائق ہوتا ہے؟

نادر کے پاس آنا بھی اس کی بے بسی کی ایک مثال تھی۔ وہ جانتا تھا کہ نادر ہی اس مشکل وقت میں اس کی مدد کر سکتا ہے اسی لیے اس نے نادر کے طعنے برداشت کر لیے۔

"تم آج کچھ بھی کہہ لو نادر میں برا نہیں مناؤں گا۔" وہ اس حالت میں تھا بھی نہیں کہ برا مناتا۔ "مگر پلیز میری مدد کرو۔ میں تمہاری ایک ایک پائی اتار دوں گا وقت کے ساتھ ساتھ۔ اس آدمی نے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ تم جانتے ہو الیزا کی خاطر میں نے کہاں کہاں سے ادھار نہیں لیے۔"

الیزا کا نام سن کر نادر نے ایک بار پھر سوچنے کی اداکاری کی۔ "الیزا.....(ایک اور کش) یعنی تمہاری معشوقہ ناں؟" اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو نادر۔" عماد الیزا کے لیے معشوقی کا لفظ سن کر ایک دم غصے میں آ گیا۔

"واہ بھئی واہ۔ رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ واہ عماد، ویسے اب نظر آیا ناں میرا پرانا والا دوست۔ وہی غصے والا عماد۔ چل یار، میں تیری مدد کروں گا۔ تو نے مجھے چھوڑا تھا، میں نے تو نہیں۔ بتا کتنا مقروض کر کے گئی ہیں معشو....." رک کر تصحیح کی۔ نادر کو ایک بار پھر ماتھے پہ بل ڈالنے پڑے۔ "سوری سوری، محترمہ بھابھی جان۔ بتاوہ تجھے کتنا مقروض کر کے گئیں ہیں اس دنیا سے؟"

نادر اپنی عادت سے مجبور تھا۔ یہ بات عماد بھی جانتا تھا۔

"یار تم نے مجھ پہ اپنا غصہ نکالنا ہے تو نکال دے مگر تمہیں اللہ کا واسطہ ہے کہ اس بیچاری کے بارے میں ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ تو اب اس دنیا میں بھی نہیں ہے۔ پلیز اسے تو کچھ نہ کہو۔" عماد کا لہجہ اداس سا ہو گیا تھا جسے اس نے نادر کو ظاہر نہ کروایا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" دھواں باہر نکالا۔ "میں تیری مدد کروں گا بنا کوئی پرانی بات کہے بغیر حلانکہ میں بھولا نہیں تو نے مجھے کتنا خوار اور ذلیل کیا تھا مرحومہ بھابھی کی وجہ سے۔" وہ ہنس دیا۔ عماد نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتا کتنی رقم چاہئے تجھے؟" نادر نے کھلے دل سے آفر کی ہو جیسے۔

"د.....دس.....دس لاکھ۔" عماد کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"بس؟ بس دس لاکھ؟ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے بھائی۔ ہو جائے گا تیرا کام۔ اوئے سامے۔" اس نے اونچی سی آواز دی تو دروازہ کھول کر سامہ بھاگتا ہوا اندر آیا۔

"جی ساب جی؟" اس نے تابعداری سے پوچھا۔ وہ نادر سے کافی بڑی عمر کا تھا مگر وہ نوکر تھا اور نادر مالک۔

"جا جا کر لاکھ لاکھ والی دس کاپیاں لے کر آ۔ ہزار ہزار کے نیلے نوٹوں والی۔ یا ایسا کر پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں کی دو کاپیاں لے آ۔ عماد کہاں دس دس کاپیاں سنبھالتا پھرے گا؟" اس نے ایک نظر عماد کو دیکھا جس کے چہرے پہ چھائی پریشانی قدرے کم ہو گئی تھی۔

سامہ سر ہلا کر چلا گیا اور چند ہی منٹوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں دس لاکھ تھے۔ اس دوران نادر اور عماد نے کوئی بات نہیں کی تھی ہاں البتہ نادر نے سگریٹ ختم کر دی تھی۔

سامے نے پیسے لا کر نادر کو دیے۔ عماد کو اپنی بے بسی ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ نادر سے تو وہ کافی وقت کی مہلت لے سکتا تھا۔ کم از کم ابھی ان لوگوں کا قرضہ تو اتر جائے۔

"یہ لے عماد۔ پورے دس لاکھ ہیں۔ چاہے تو گن لے۔ پانچ پانچ لاکھ کی دو دھتیاں ہیں۔" نادر نے پیسے عماد کی طرف اچھالے جنہیں اس نے پکڑ لیا۔ وہ دونوں آمنے آمنے صوفوں پہ براجمان تھے۔

"تمہارا شکریہ نادر۔ تم نے مجھ پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔" عماد ممنون ہوا۔

نادر مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا اور عماد کے گلے لگا۔ عماد کو بھی اس سے مل کر اچھا لگا تھا۔

"شکریہ کی بات نہیں۔ تو میرا یار ہے۔ میں تجھے اس قرضے سے آزاد بھی کر سکتا ہوں اگر تو میرا ایک کام کرے۔" نادر نے کہا۔

عماد کو نادر سے ایسی ہی کسی بات کی توقع تھی۔ لاشعوری طور پر وہ یہی سوچ رہا تھا کہ نادر کوئی نہ کوئی شرط ضرور رکھے گا۔

"کیا کام؟" اس کی خوشی دم توڑ گئی۔

"بس تو رات کو ادھر آجانا، میں تجھے کام بتادوں گا۔ صبح ہوتے ہی تو میرا مقروض نہیں رہے گا۔ تیرا سارا قرضہ معاف ہو جائے گا۔ بس آج کی رات میرا وہ کام کرنا ہو گا۔"

عماد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"قرضے سے نجات پانا چاہتے ہو تو رات بارہ بجے ادھر آجانا۔"

عماد نے اثبات میں سر ہلایا اور چلا گیا۔

نادر نے اسے جاتا دیکھا اور ٹیبل پہ رکھی سگریٹ کی ڈبی سے ایک اور سگریٹ نکال کر سلگایا۔

لمبے کش..... سرمئی دھویں.....

☆☆☆

رات بالکل سنسان تھی۔ آج آسمان میں چاند نہیں نکلا تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ عماد وقت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ نادر اپنے ڈیرے پہ ہی تھا۔

"دیکھو میں وقت کے مطابق آگیا ہوں۔ اب بتاؤ کیا کام ہے؟" عماد کا انداز جلد بازی والا تھا۔

"آرام سے ہیرو، آرام سے۔" بادر نے دونوں ہاتھوں سے دھیرج رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر آؤ بیٹھو تو سہی۔ جلدی کس بات کی ہے؟" اس کا انداز لاپرواہی سموئے ہوئے تھا۔

عماد کو چار و ناچار بیٹھنا ہی پڑا۔ ابھی وہ نادر کے قرضے سے آزاد نہیں ہوا تھا۔

"ہاں بولو؟" پہلے کی طرح ہی نادر کے سامنے والے صوفے پہ نشست سنبھالتے ہوئے اس نے کہا۔

نادر نے عجیب سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور سگریٹ سلگایا۔ اس بار اس نے لمبا کش نہیں لیا تھا۔

"دیکھو یار۔ بات یہ ہے کہ پیسہ اتنی آسانی سے تو نہیں ملتا۔ ہمارے پاس کون سا پیسہ اگانے والے درخت ہیں؟ پیسہ تو کمایا جاتا ہے یا لوٹا جاتا ہے۔ اب تو تو جانتا ہے مجھ سے پیسہ کمایا نہیں جاتا۔ میں تو پیسہ لوٹنا جانتا ہوں۔ آج بھی ہم ایک بڑا بینک لوٹنے کا پلان بنائے بیٹھے تھے کہ عین وقت پہ ہمارا ڈرائیور بھاگ گیا۔ اسے ایمرجنسی میں گھر جانا پڑا۔ خیر اسے چھوڑ۔ اب مجھے ایک ڈرائیور کی

ضرورت ہے اور ان نکموں (سامے کے ساتھ دو تین لڑکے اور کھڑے تھے، کو دیکھا) کو گاڑی چلانی نہیں آتی۔ تیری ڈرائیوری سے میں بہت اچھے سے واقف ہوں۔ تو بالکل ٹھیک ٹائم پہ آیا ہے آج میرے پاس۔" نادر نے پوری بات کہی اور سلگتے سگریٹ کو دوبارہ منہ میں رکھ کر اندر کھینچا۔ یہ پہلے سے لمبا کش تھا۔

"پر میں....." عماد نے کچھ کہنا چاہا۔

"ایک رات کی بات ہے عماد۔ اس کے بعد تیرا سارا قرضہ معاف۔ گاڑی چلانے کے دس لاکھ کیا کم ہیں؟" نادر کا لہجہ کچھ سخت ہوا۔ "اور چاہیئے؟"

"نہیں نہیں۔" عماد نے فوراً سے منع کیا۔

"تو میں ہاں سمجھوں؟" نادر نے پوچھنا ضروری سمجھا حلانکہ وہ جانتا تھا عماد نہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

عماد نے فقط اثبات میں سر ہلایا۔

"شہزادہ لگا ہے۔" نادر پرجوش آواز میں بولا اور اٹھ کر عماد کو گلے لگالیا۔ عماد کو اس بار اچھا نہیں لگا تھا۔

☆☆☆

ایک بج چکا تھا۔ وہ لوگ بینک کے سامنے کھڑے تھے۔ معاہدے کے مطابق عماد ہی گاڑی چلا کر لایا تھا۔ نادر آگے بیٹھا تھا اور اس کے دو ملازم لڑکے پیچھے۔ عماد کو اس سب سے سخت کوفت ہو رہی تھی مگر..... مرتا کیا نہ کرتا والا حساب ہی تھا۔

آسمان سیاہ تھا۔

"تو یہیں ہمارا انتظار کر عماد۔ ہم تھوڑی دیر میں آئے۔" گاڑی سے اترنے سے پہلے اس نے جیسے عماد کو نصیحت کی۔ اس نے خاموشی سے سر ہلایا۔

وہ وہیں بیٹھا سامنے سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ سڑک خالی تھی۔

"زندگی ہمیشہ ہمیں وہ نہیں دیتی جس کی ہم خواہش کرتے ہیں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

وہ بیتے کل میں چلا گیا تھا جب وہ اور نادر پکے دوست ہوا کرتے تھے۔

وہ یونیورسٹی کے دن تھے۔ وہ دونوں ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ دونوں کی دوستی شروع دن سے ہی ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت الیزا کو دیکھ رہا تھا جب نادر ہاتھوں میں دو بوتلیں لے کر اس تک آیا۔

"یہ لے جگر۔" اس نے ایک بوتل عماد کی طرف بڑھائی جس کا دھیان سامنے ہی تھا۔ وہ جیسے نادر کی موجودگی سے بے خبر تھا اور الیزا کو ہی دیکھے جارہا تھا۔ نادر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اسے بھی الیزا نظر آئی۔ وہ بھی ان کی کلاس فیلو ہی تھی۔ نادر نے گہری سانس خارج کی۔

"عماد۔"

"ہاں ہاں۔" وہ جیسے ایک دم ہوش میں آیا۔

نادر کھکھلا کر ہنس دیا۔ "الیزا کے حسن میں گم ہے ہمارا دوست۔" اس نے اسے چھیڑا۔ "ہے تو ویسے واقعی قاتل حسینہ۔" نادر نے اپنے ازلی انداز میں کہا۔

"تمیز سے بات کر۔ بھابھی ہے تیری۔" عماد کو غصہ آیا۔

"اوہو، معذرت جناب معذرت۔ کہیں تو بھابھی جان سے بھی معافی مانگ آؤں؟" نادر نے بوتلوں سمیت ہی ہاتھ کانوں کو لگائے۔

"نہیں رہنے دے اب اتنا بھی اوور نہ ہو۔" عماد نے اس کے ہاتھ سے بوتل پکڑی۔

"تو نے اسے بتایا؟" نادر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"ہمت ہی نہیں ہوئی۔" وہ اداس سا ہوا۔

"تو اب بتادے۔ بلکہ چل میرے ساتھ۔ ابھی جا کر بتاتے ہیں۔"

"نہیں نہیں نادر۔ میں خود موقع دیکھ کر بتادوں گا۔ ایسے وہ برا نہ مان جائے۔ میں نہیں چاہتا معاملہ خراب ہو۔ وہ مجھے اچھا سمجھتی ہے۔ ایسے گنڈوں کی طرح جا کر صاف صاف بات کرنا میری فطرت نہیں۔" عماد نے اسے کہا۔

"تو تو مجھے گنڈا کہہ رہا ہے؟" نادر نے برا مانا۔

"نہیں یار۔" عماد نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

نادر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "اچھا چلو جب دل کرے بتا دینا اور کبھی بھی میری مدد چاہئے ہو تو میرے پاس آجانا۔" نادر نے کھلے دل سے آفر کی۔

عماد نے اسے گلے لگایا۔ گلے لگاتے ہوئے بھی وہ الیزا کو ہی دیکھ رہا تھا جس سے جلد اس کی شادی ہونے والی تھی۔ نادر کو اس نے ابھی نہیں بتایا تھا۔ وہ جلد اسے بتادے گا۔ اس نے یہی سوچا تھا۔

سڑک پہ، دور سے نظر آتی روشنی جب اس کی آنکھوں سے ٹکرائی تو وہ ہوش میں آیا۔ اندھیر سڑک پہ وہ واحد روشنی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ یہ روشنی اس کی زندگی روشن کرنے آرہی تھی.....یا.....مزید اندھیر کرنے؟

روشنی قریب سے قریب ہوتی جارہی تھی۔ نادر لوگوں کو اندر گئے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ ہونے کو تھا۔ اچانک بینک کا الارم بجا۔ عماد نے اس روشنی کو نظر انداز کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ روشنی قریب آئی تو اسے احساس ہوا وہ ایک موٹر سائیکل کی لائٹ ہے۔

نادر کے ملازم گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ نادر بھاگ کر آرہا تھا اور اسی دوران اس کی ٹکر بائیک سے ہوئی۔ نادر گرتے گرتے بچا اور بائیک بھی۔ نادر کا منہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے بینک کے بجتے الارم کو سنا اور نادر کی طرف دیکھا۔ اسے پتا چل گیا وہ ڈاکو ہے۔ اس نے فوراً اپنی بائیک بھگانی چاہی۔ وہ نادر کے سامنے تھا۔ اس کے چہرے پہ خوف تھا۔ وہ بائیک پیچھے کی طرف موڑنے لگا تو نادر نے بیلٹ میں اڑسی پسٹل نکالی اور..... گولی کی آواز سب نے سنی۔

اپنی پشت کے بل گرا وہ شخص خون میں نہا گیا۔ نادر جلدی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اندر ایک عدد موبائل تھا اور ایک لفافہ بھی تھا۔ نادر نے دونوں چیزیں اٹھائیں اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا نادر؟ ایک بے قصور کی جان لے لی؟" عماد کے لہجے میں دکھ تھا۔

"تو چپ کر اور گاڑی بھگا۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔" نادر گرجتے لہجے میں بولا۔

"پر....."

"تجھے جو کہا ہے وہ کر۔ زیادہ ہمدردی ہو رہی ہے تو بھیج دوں تجھے بھی اس کے پاس؟" نادر نے غصے سے کہا۔

عماد نے گاڑی آگے بڑھادی۔ وہ اس وحشی آدمی کی شکل اب واقعی دوبارہ نہیں دیکھے گا۔ اب کی بار وہ مقروض نہیں تھا۔

بیک ویو مرر سے عماد کو اس بے قصور کی لاش زمین پہ بے سدھ پڑی دکھائی دی۔ اسے دلی افسوس ہوا تھا۔ کوئی اسے لینے نہیں آیا تھا۔

لاش پیچھے رہ گئی اور وہ پولیس سے بچ کر صحیح سلامت نادر کے ڈیرے پہ پہنچ گئے۔

☆☆☆

آج کی رات تو جشن کی رات تھی۔ نادر سمیت اس کے سارے ملازم وہیں تھے۔ دھوویں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ نادر کے سامنے میز پہ شراب پڑی تھی۔ اس کے علاوہ بھی طرح طرح کی نشہ آور چیزیں میز کی زینت بنی تھیں۔ ان کے مطابق یہ زینت ہی تھی۔

نادر نے بوتل سے شراب گلاس میں انڈیلی اور گلاس لبوں سے لگایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سگریٹ کا لمبا کش لیا۔ اسے اس سب کی عادت ہو گئی تھی۔

عماد ان سب نشئیوں کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"لے عماد تو بھی پی۔" نادر نے عماد کی طرف اپنا گلاس کیا۔

"نہیں۔ تم مجھے بتاؤ کیا میرا کام مکمل ہو گیا ہے؟" وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

"ہاں ہاں۔ تیرا کام پورا ہوا اور اب تیرا سارا قرضہ معاف ہے۔ آج تو نے میری بہت مدد کی ہے میں یاد رکھوں گا۔" نادر نشے کی حالت میں بول رہا تھا۔

عماد نے شکر ادا کیا کہ اس کی جان چھوٹ گئی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا اس حرام خانے سے باہر جانے لگا۔

"عماد۔" نادر نے اسے پکارا۔ وہ برے دل سے مڑا۔ "یہ لفافہ بھی تو اپنے ساتھ لیتا جا۔ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ اس میں جو موبائل ہے اسے بیچ کر پیسے تو رکھ لینا۔" اس نے لفافہ عماد کی طرف پھینکا جسے اس نے پکڑ لیا۔

وہ چلا گیا۔ وہ سب نشے میں دھت تھے۔

کھلی فضاء میں آ کر اس نے ہوا کو اپنے اندر اتارا۔ شراب اور نشہ آور چیزوں کی بو بہت گندی تھی۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔

☆☆☆

عماد گھر پیدل ہی جا رہا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا۔ آوارہ کتوں کے بھوکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اپنی لے میں چلتا رہا۔

"میں آج کے بعد اس خبیث انسان کی شکل نہیں دیکھوں گا۔ اللہ کرے میرا کبھی اس سے سامنا نہ ہو۔ یہ انسان نہیں حیوان ہے۔" وہ نادر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے زاویے بتا رہے تھے کہ وہ اسے سوچتے ہوئے بھی کوفت محسوس کر رہا ہے۔

وہ کچھ بھی سوچ رہا تھا کہ اچانک لفافے میں رکھے فون نے بجنا شروع کر دیا۔ وہ سوچوں سے آزاد ہوا۔ اس نے لفافہ کھولا اور فون باہر نکالا۔

"ہوم کالنگ۔" سکرین پہ جگمگا رہا تھا۔

اس نے سائد کا بٹن دبا کر گھنٹی بند کی اور موبائل جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ بھی اس نے دوسری جیب میں ڈال لیا تھا۔

وہ گھر آ چکا تھا۔

راستے میں اسے دو بار کال آئی تھی۔ ایک بار..... دو بار..... دس بار.....

اس نے ابھی تک کال نہیں اٹھائی تھی۔ وہ اٹھاتا بھی کیسے؟ اگر اٹھاتا تو کہتا کیا؟ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

مزید کئی کالز کو نظر انداز کرنے کے دوران ہی اس نے کھانا کھایا۔

کال پھر آئی تو اس نے اس بار کال اٹھالی۔

"بھائی۔ آپ کہاں رہ گئے ہیں؟ میں کب سے آپ کو کال کر رہی ہوں۔ آپ کدھر ہیں؟ امی کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ آپ نے پیسوں کا بندوبست کر لیا کیا؟ بھائی..... جواب تو دیں۔ بھائی، خاموش کیوں ہیں؟ بھائی....." وہ آخر میں چلا دی۔ عماد کو اس کی آواز سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کال کاٹ دی۔ اس بار اس نے فون سائیلنٹ پہ لگا دیا تھا۔

وہ بیڈ پہ لیٹ گیا۔

وہ آج کے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

وہ نادر کے پاس گیا..... اس کا قرضہ معاف کر دیا گیا..... اس کے سامنے نادر نے ایک قتل کیا..... ایک بے گناہ کا..... جس کی ماں ہسپتال میں ہے..... اوہ..... اوہ.....

"یہ کیا ہو گیا؟ میں دو لوگوں کی زندگیاں نہیں بچا پایا۔ پہلی الیزا اور دوسرا وہ بے گناہ لڑکا جو نادر کی وحشت کا نشانہ بن گیا۔" وہ خود سے کہہ رہا تھا۔ "مگر..... میں اب اس کی ماں کی زندگی تو بچا ہی سکتا ہوں۔"

وہ ایک دم اٹھا جیسے کوئی طاقت اس میں آ گئی ہو۔ اس نے جیب میں رکھا لفافہ نکالا۔ اس میں ہزار ہزار کے نوٹوں کی پانچ گٹھیاں تھیں۔ پانچ لاکھ.....

"یہ پیسے میرے نہیں ہیں۔ یہ ان کے ہیں۔ میں انہیں کال کرتا ہوں اور انہیں یہ پیسے دے دیتا ہوں۔" اس نے فون اٹھایا اور اسی نمبر پہ کال بیک کی۔ جواب ندارد.....

ایک بار..... دو بار..... دس بار..... کسی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔

عماد کی فکر میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

وہ ایک بار پھر نادر سے ملنے کے لیے مجبور ہو چکا تھا۔

اس بار بھی نادر کے علاوہ کوئی اس کی مدد نہیں کرنے والا تھا۔

☆☆☆

ساری رات عماد نہیں سویا تھا اور اب صبح اپنی موجودگی کا احساس سارے جہان کو دلا چکی تھی۔

وہ بائیک پہ سوار تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر ہی وہ نادر کے پاس پہنچ جائے پر بائیک نے اڑنے سے انکار کر دیا اور رہی سہی کسر جگہ جگہ لگے لال رنگ کے اشاروں نے پوری کر دی تھی۔ اس کے لیے ایک ایک پل قیمتی تھا۔

مزید آدھا گھنٹہ تاخیر کے بعد وہ نادر کے ڈیرے پر پہنچا۔ بائیک اس نے باہر ہی کھڑی کر دی اور عجلت میں بغیر لاک کیے وہ اندر کی طرف بھاگا۔

''نادر کہاں ہے؟'' اسے سامنے سے سامہ چلتا ہوا دکھائی دیا تو وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔

''وہ تو سونے چلے گئے ہیں۔ یہ وقت ان کی نیند پوری کرنے کا ہے۔ ویسے بھی کل صاب نے ذرا زیادہ.....''

''اسے کہو عماد آیا ہے۔ اسے اٹھاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' عماد نے سامے کی پوری بات نہیں سنی تھی۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

''پر.....''

''میرا نام لینا تم۔'' عماد جیسے التجا کرنے لگا۔ اس کے چہرے پہ گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

''صاب مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔'' سامہ جانتا تھا کہ نادر کی نیند خراب کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔

''میرا نام لینا۔'' عماد نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''کہاں ہے اس کا کمرہ؟ میں خود چلا جاتا ہوں۔'' عماد کو آخری حل یہی سمجھ آیا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' سامے کو عماد کی زندگی سے زیادہ اپنی نوکری پیاری تھی۔

ڈیرے کے عقب میں ایک دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر سامنے ایک عالیشان گھر نظر آتا تھا۔ عماد کی آنکھیں ایک پل کو کھلی رہ گئیں۔ سامے کی پیروی کرتے ہوئے وہ نادر کی خراب گاہ تک پہنچ ہی گیا۔ راستے میں اس نے اس گھر کی ایک ایک چیز کو اپنی آنکھوں میں اتار لیا تھا۔

''یہ رہا کمرہ۔'' اس نے عماد سے کہا۔

عماد نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ سامہ ڈر کر پیچھے ہوا۔

''کون ہے؟'' اندر سے نادر کی غصے سے بھرپور آواز سنائی دی۔

''نادر میں ہوں۔ عماد۔''عماد نے بھی اونچی آواز میں کہا۔

''کیا مصیبت ہے۔''نادر کو دوستی کی خاطر اٹھنا ہی پڑا۔

چہرے پہ ڈھیروں غضب لیے اس نے دروازہ کھولا۔ سامہ اسے دیکھ کر ایک بار پھر ڈر کر پیچھے ہوا۔ عماد کی گھبراہٹ دوچند ہو گئی۔ اسے لگا اتنے غصے میں نادر کبھی اس کی مدد نہیں کرے گا۔

''صاب جی میں نے بہت روکا انہیں پر یہ نہیں مانے۔ میں نے بتایا کہ آپ سو رہے ہیں۔'' سامے نے اپنی صفائی دینا مناسب سمجھا جسے نادر نے ان سنا ہی کیا۔

''کیا ہوا ہے ہیرو؟ اور پیسے لینے ہیں؟''اس کا غصہ قدرے کم ہوا۔

''نہیں نادر۔ پیسے لینے نہیں آیا۔ مجھے ایک اور کام ہے۔ یہ نمبر (اس نے جیب میں سے فون نکالا) مجھے اس کے بارے میں جاننا ہے کہ یہ نمبر کہاں کا ہے۔ تم اپنے ذرائع سے پتا کروا سکتے ہو کہ اس کا مالک کون ہے اور کل رات والی کالز کہاں سے آئی ہیں۔ پلیز میری مدد کرو۔ تمہارے علاوہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔''دوست..... عماد نے اسے دوست کے عہدے سے کب کا ہٹا دیا تھا مگر اس وقت اسے دوست کہنا ضروری تھا۔

''بس؟ اتنے سے کام کے لیے تو نے مجھے جگایا عماد۔ ایسے کام تو میرے نوکروں کو کہہ دیا کر۔ میری نیند نہ حرام کر۔ سامے، اس کا کام جلد سے جلد کر دے۔''اس نے آخری بات سامے سے کہی جو سر ہلاتا، عماد سے نمبر لے کر چلا گیا۔

''یہ کس کا نمبر ہے؟''نادر نے یونہی سوال کر لیا۔

''تم نے بہت غلط کیا نادر اس بے قصور لڑکے کو مار کر۔ وہ بے چارا اپنی ماں کے علاج کے لیے پیسے لے کر ہسپتال جا رہا تھا اور تم نے اس کا قتل کر دیا۔ بہت غلط کیا تم نے نادر۔''عماد کے لہجے میں دکھ تھا۔

''اوہ ہیرو۔ میری غلطی نہیں ہے۔ اس کی زندگی ہی اتنی لکھی تھی۔ تو بھی زیادہ غم نہ کر۔ دنیا میں ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا۔''نادر کو رتی برابر بھی احساس نہ تھا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

''پھر بھی تم اسے قتل نہ کرتے۔''عماد نے کہا۔

''تجھے میں نے کل بھی آفر کروائی تھی کہ اگر تجھے بہت زیادہ دکھ ہے تو تجھے بھی اس کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ مجھے زیادہ لیکچر نہ دے۔ کام ہو جائے تو چلا جائیں یہاں سے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ جمائی لیتا پٹاخ سے دروازہ بند کرتے ہوئے اندر چلا گیا۔ عماد کو شدید رنج کا احساس ہوا۔ اس نے اس وقت کو کوسا جب اس نے نادر سے دستی کی تھی۔

وہ باہر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے صوفہ نظر آیا تو اس نے وہاں بیٹھنا مناسب سمجھا۔ اسے بار بار اس لڑکی کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس کے لہجے میں کتنی بے بسی تھی۔ کتنی بے چینی تھی۔ ظاہر ہے ماں بستر مرگ پہ ہو تو چین کسے نصیب ہوتا ہے؟ عماد نے انگلیوں سے اپنی کنپٹی سہلائی۔

"یہ لو صاب۔ ہو گیا تمہارا کام۔" سامے کی آواز پہ اس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ سامے کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ عماد اٹھا اور کاغذ تھاما۔ کاغذ پہ کل رات کی کالز کی ساری تفصیلات موجود تھیں۔ عماد کو یہی چاہئے تھا بس۔

"میں چلتا ہوں۔" عماد کہہ کر چل پڑا۔

سامے نے کندھے اچکائے۔

☆☆☆☆☆

کل رات والی کال کی لوکیشن ایک قریبی ہسپتال کی تھی۔ عماد بائیک دوڑاتا ہوا وہیں لے گیا۔ ہسپتال میں معمول کی گھما گھمی تھی۔ راہداریوں میں کمروں کے باہر مریضوں کے لواحقین پریشان حال دکھائی دیتے تھے۔ ڈاکٹر اور نرسیں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔ لوگ دعاؤں میں مصروف تھے۔ عماد کو الیز ایاد آئی۔ وہ اسے کئی بار ایسے ہی ہسپتال میں لے کر آتا رہا تھا۔

سامنے ریسیپشن تھا۔ وہ وہاں تک گیا۔

"اسلام علیکم۔" عماد نے سامنے بیٹھی لڑکی سے کہا جو کمپیوٹر میں کچھ لکھ رہی تھی۔

"وعلیکم اسلام جی فرمائیں۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" وہ مہذب انداز میں بولی۔

"کل رات کو یہاں ایک لیڈی کا آپریشن تھا۔ ان کا بیٹا پیسے لینے گیا تھا رات کو۔ ان کے ساتھ ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں وہ کون سے روم میں ہیں؟" عماد کو ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں پتا تھا۔

"آپ شاید مس ارم کی والدہ کی بات کر رہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے آپ کو آنے میں دیر ہو گئی۔ ان کی والدہ انتقال کر گئی ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔" لڑکی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

عماد کی پریشانی دوچند ہو گئی۔

"وہ تو صبح فجر کے وقت ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کا بیٹا ابھی تک نہیں آیا اور اس کی دیتھ تین بجے ہوئی۔ نجانے کہاں رہ گیا ہے ان کا بیٹا۔" لڑکی کو ساری معلومات تھی۔ عماد گنگ چہرہ لیے وہیں کھڑا رہا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے یا کیا کرے؟

"سر....." لڑکی نے عماد کو گنگ پایا تو بولی۔ "کیا ہوا آپ کو؟"

عماد ہوش میں آیا۔ ''آپ مجھے ان کے گھر کا ایڈریس بتا سکتی ہیں؟ مجھے دراصل یہیں آنے کا کہا گیا تھا اور یہ نمبر ٹیلی کر لیں کہ کیا ان کا ہی ہے؟'' عماد نے ایک بار تصدیق کرنا چاہا۔ لڑکی نے نمبر دیکھ کر تصدیق کر دی اور اسے گھر کا پتا لکھوا دیا۔

عماد شکریہ ادا کرتا ہسپتال سے باہر آ گیا۔

اس کی اگلی منزل وہ گھر تھا۔

وہ گھر..... جو تباہ ہو چکا تھا۔

وہ گھر..... وہ ویران ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

گرمی بڑھ رہی تھی۔ لو بھی چلنا شروع ہو چکی تھی اور عماد جتنی تیزی سے بائیک چلا رہا تھا اس کے چہرے پہ گرم ہوا کے تھپیڑے پڑ رہے تھے۔ وہ منزل کے قریب ہی تھا جب ٹریفک پولیس نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

''کہاں کی اڑان ہے جناب کی؟ اتنی تیز بائیک چلانے سے تم کیا جہاز کی طرح اڑنے لگو گے؟ آج کل کی نوجوان نسل میں تو تحمل نام کی چیز نہیں ہے۔ ہر وقت گھوڑے پہ سوال رہتے ہیں۔ کیا نام ہے تمہارا؟'' بڑے پیٹ والے مرد نے ناک منہ سکوڑ کر ساری بات کہی۔ عماد کو کوفت ہونے لگی۔

''ہمارے جاننے والوں کی فوتگی ہو گئی ہے میں وہاں ہی جا رہا تھا۔ اسی لیے بائیک تیز چلائی۔'' عماد نے کہا۔

''چند پیسے بچانے کے لیے تم لوگ تو آرام سے کسی کو فوت کروا دیتے ہو۔ شرم ورم نہیں آتی؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کو چالان کاٹنا ہے تو کاٹ دیں۔ مجھے وہاں جلدی جانا ہے۔'' عماد نے کہا۔

''اچھا..... چلو تمہیں معاف کیا۔ تم سچ بول رہے ہو باقی واللہ عالم۔'' اس نے پیڈ بند کر دیا۔

''شکریہ۔'' عماد کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

کسی نہ کسی طرح وہ ہر بار ہی دیر سے پہنچتا تھا۔

☆☆☆☆☆

منزل آ چکی تھی۔ وہاں ویسا ہی عالم تھا جیسا اس نے تصور کیا تھا۔ گھر کے دروازے کھلے تھے اور گلی میں قناتیں لگائی جا چکی تھیں۔ مرد حاضرات دریوں پہ بیٹھے تھے اور گھر کے اندر سے عورتوں کی رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کے قدم بے ساختہ اندر کی طرف اٹھے۔ اندر دو چارپائیاں تھیں۔ دو لاشیں..... دو ہنستے کھیلتے انسان موت کی نیند سو چکے تھے۔ کسی کی زندگی چلی گئی تھی اور کسی کی زندگی جیتے جی ختم ہو چکی تھی۔ وہ ارم تھی..... جس کی زندگی ختم ہو چکی تھی پر وہ زندہ تھی۔ وہ دونوں چارپائیوں کے درمیان

بیٹھی تھی۔ اس کے بال بکھرے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ ماں کی چارپائی پہ تھا اور دوسرا ہاتھ بھائی کی چارپائی پہ۔ وہ اس بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ ارم کو دیکھ کر عماد کو پچھتاووں نے آن گھیرا۔ بے قصور ہو کر وہ بھی اس سب کا قصوروار تھا۔ وہ ایسا ہی سوچ رہا تھا۔

ارم کی بگڑتی حالت اس سے مزید نہ دیکھی جا سکی۔ وہ باہر ہی مردوں کے درمیان بیٹھ گیا۔

"دیکھو، رسی جل گئی مگر بل نہ گیا والا حساب ہے۔ ماں کو سرکاری ہسپتال نہیں لے کر گیا اور مہنگے ہسپتال میں لے گیا پاگل۔ کتنا کہا تھا کہ علاج کے پیسے کہاں سے لاؤ گے تو آگے بڑی اکڑ سے کہتا تھا کہ میں بندوبست کر لوں گا۔ اب دیکھ لو بندوبست (زور دے کر طنزیہ انداز میں بولے) ماں سے ساتھ ساتھ خود بھی چلا گیا اور بہن کو اکیلا چھوڑ گیا۔ گولی لگی ہے اسے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ کر گولی مار دی ہو گی۔"

اس کے ساتھ بیٹھے دو آدمی آپس میں اس معاملے کو ڈسکس کر رہے تھے۔ عماد کو شدید کوفت ہوئی۔ اس کے پاس ان کی باتوں کا جواب تھا مگر وہ ان حالات میں کوئی اور تماشہ نہیں کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ صحیح کہتے ہیں، غمی ہو یا خوشی، لوگ باتیں بنانے سے باز نہیں آتے۔

جنازے کا وقت ہو چکا تھا۔

ارم کی چیخیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔

اس گھر سے دو جنازے اٹھ چکے تھے۔

عماد نے بھی جنازوں کو کندھا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

اگلے دن بھی وہ ارم سے بات کرنے اس کے گھر گیا تھا مگر وہاں جا کر اسے خبر ملی کے ارم کی طبیعت کل سے بہت خراب ہے۔ وہ ہسپتال میں ہے اور وہاں تو وہ کسی بھی صورت اس سے بات نہیں کر سکتا۔

ایسے ہی ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دن کے بعد وہ اپنے کچھ کاموں میں ایسا مگن ہوا کہ ارم کی طرف چاہ کر بھی نہ جا پایا..... یا جب قدرتی طور پہ کوئی کام دیر سے ہونا ہو تو یونہی ہوتا ہے۔ اس دوران وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ ایک دو بار اسے ارم خواب میں بھی دکھائی دی تھی۔ وہ رو رہی تھی اور اپنے بھائی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ عماد گھبرا کر اٹھا۔ اس نے انگلیاں اپنے بالوں میں پھنسائیں۔ بال نوچے اور ساتھ ہی ایک گرج دار آواز.....

ایک ہفتے بعد اس نے ٹھان لی تھی کہ آج جو بھی وہ ارم سے بات ضرور کرے گا۔ اس کی نارمل زندگی میں اتنا بڑا کلائیمیکس آ گیا تھا جس نے اس کی راتوں کی نیند چھین لی تھی۔

اس کے ہاتھ میں وہ لفافہ تھا جس میں پیسے اور موبائل فون رکھا تھا۔ اس نے دوبارہ وہ لفافہ نہیں کھولا تھا۔

گرمی معمول کی تھی۔ وہ گھر کے باہر کھڑا تھا۔ سارا راستہ وہ الفاظ ترتیب دیتا رہا جو اس نے ارم کو سنانے تھے۔ اب..... اس کے الفاظ نہیں تھے۔

"الیزا، کاش تم میرے ساتھ ہوتی۔ مجھے اس وقت تم سے زیادہ کسی کی طلب نہیں۔" اگر الیزا ہوتی تو وہ ارم سے بات کر سکتی تھی۔

اس نے دروازے پہ دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ٹھک..... ٹھک.....

ایک، دو، تین.....

جوابِ ندارد.....

آج اس کی پریشانی میں کمی نہیں بلکہ مزید اضافہ ہو گیا۔

وہ واپس جانے کو مڑا۔ ابھی وہ اپنی بائیک پہ بیٹھا ہی تھا کہ اسے ایک عورت کی آواز آئی۔

"کون ہو تم لڑکے؟ کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" عماد نے اسے دیکھا۔ اسے لگا یہ عورت اس کی مدد کر سکتی ہے۔ حلیے سے وہ کسی گھر کی ماسی لگ رہی تھی اور شکل سے اسی محلے کی کٹنی.....

"اس گھر کے لوگ کہاں گئے ہیں؟ میں اس کا جاننے والا ہوں۔ افسوس کے لیے آیا ہوں۔" وہ اور کیا کہتا؟

"جاننے والے؟" وہ تشویشی انداز میں بولی۔ "پہلے تو کبھی نہیں دیکھا تم ایسا جوان (لمبا کیا) جاننے والا۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

عماد کو اس کا انداز عجیب لگا۔ "تو اس میں میرا کیا قصور ہے کہ آپ نے مجھے نہیں دیکھا پہلے کبھی؟ کیا آپ کو آنے سے پہلے خط لکھا کروں؟" عماد نے قدرے غصے سے جواب دیا۔ اس کے ماتھے پہ سلوٹیں بڑھ رہی تھیں۔

"ارے ارے بچے۔ تم تو فوراً ہی بگڑ گئے۔" وہ لائن پہ آ گئی۔ "میں تو بس ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ اصل میں....." وہ ذرا رکی۔ "آج کل کے حالات سے تو تم واقف ہی ہو۔ اب مفت میں بندہ کوئی کام کرتا اچھا تھوڑی لگتا ہے۔" وہ باتیں بنانے لگی۔ عماد اس کی باتیں سمجھ رہا تھا۔

"مہنگائی بھی تو دیکھو کس قدر ہو گئی ہے۔"

عماد نے ابرو اٹھایا اور جیب سے بٹوہ نکالا۔ نیلے رنگ کا ہزار کا ایک نوٹ نکال کر کٹنی عورت کو دکھایا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ لیں۔"

عورت نے لمحہ نہیں لگایا اور نوٹ اچک لیا۔

"کچھ دنوں پہلے ہی ساجدہ بی بی اور ان کے بیٹے کا جنازہ اٹھا ہے۔ بچاری ارم اکیلی رہ گئی تھی اور اسے پھر اس کے دور دراز کے ماموں ممانی اپنے ساتھ لاہور لے گئے، ہمیشہ کے لیے۔ یہ گھر تو ویسے بھی کرایے کا ہے۔" اس نے بتایا۔ نظریں نوٹ پہ ہی ٹکی تھیں ہاں، خانہ پوری کے لیے ایک دو بار عماد کو بھی دیکھ ہی لیا کہ کہیں ایسا نہ لگے کے خود سے بولے جا رہی ہے۔

عماد نے بات سن کر ٹھنڈی آہ بھری۔ "آپ مجھے اس جگہ کا پتا بتا دیں۔ وہ لاہور میں کس جگہ ہیں؟"

"دیکھو بیٹا۔" اس نے ڈوپٹے سے اپنے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔ "میں اب عمر کے اس حصے میں ہر بات کو کیسے یاد رکھ سکتی ہوں۔ میرے تو بادام بھی کل ہی ختم ہوئے ہیں۔ بادام کھا کے آئی ہوتی تو کچھ یاد رہتا یا اگر جا کر کھاؤں گی تو بھی شاید کچھ یاد آ ہی جائے۔" لالچ.....

عماد نے ایک تلخ نگاہ اس پہ ڈالی اور خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا۔ والٹ میں سے ایک اور نیلا نوٹ نکال کر بھولکڑ عورت کو دکھایا تو اس کی یادداشت عین اسی وقت زندہ ہو گئی۔ اسے ایک ایک پل یاد آ گیا جیسے وہ خود ارم کو وہاں تک چھوڑ کر آئی ہو۔

"ہاں سچ۔" نوٹ پکڑنے کے بعد وہ بولی۔ "مجھے یاد آیا کہ وہ لوگ انارکلی میں رہتے ہیں۔ فاروق نام تھا اس کے دور دراز کے خالو کا۔ اب کچھ جاننا ہے؟" آخر میں اس نے کہا۔

"جی نہیں۔" عماد تلخ انداز میں بولا اور کچھ بھی کہے بغیر بائیک گھماتا واپس چلا گیا۔

کٹنی عورت ہزار کے دو نوٹوں کو بار بار چمکتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ چلو خیر..... اس نے معلومات تو ٹھیک ہی دی تھی۔ عماد کے دو ہزار ضائع نہیں گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

وہ ٹرین میں بیٹھا تھا۔ سلاخوں دار کھڑکی کے باہر کھیت، کھلیان، درخت، پہاڑ، زمین، آسمان، چرند، پرند، ہوائیں، شور، خاموشی..... سب کچھ تھا۔ عماد چپ چاپ سب کچھ دیکھتا گیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ایک شناسا چہرہ اس کے سامنے نمودار ہوا۔

الیزا..... اس کی محبت.....

"تم نے میرا بہت ساتھ دیا ہے عماد۔ میں تمہارا احسان نہیں اتار سکتی۔" وہ بیڈ پہ نیم دراز تھی۔ عماد نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا جو بہت کمزور ہو گیا تھا۔ الیزا کی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے نمایاں تھے۔ اس کی راتوں کی نیند اڑ سی گئی تھی۔ وہ اس منزل کی طرف چل پڑی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ موت.....

"کیسی باتیں کر رہی ہو الیزا تم۔ کیسا احسان؟ تم میری بیوی ہو۔ تمہارا حق ہے یہ۔ میں نے نہیں کرنا تو پھر کس نے کرنا ہے؟" وہ اسے کہہ رہا تھا۔ آنسو ضبط کرنے کا فعل جاری تھا۔

"لیکن..... میں نے تو تمہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دی۔ کبھی تمہارے لیے کچھ نہیں کیا اور پھر بھی تم میرے لیے اتنا کچھ کرتے ہو۔ اتنے اچھے کیوں ہو تم عماد؟" الیزا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"جن سے محبت کی جاتی ہے ان سے کوئی سودا نہیں کیا جاتا۔ محبت کی خاطر ان کا خیال رکھا جاتا ہے۔" اس نے الیزا کو اپنے ساتھ لگایا۔ ضبط ٹوٹ چکا تھا۔

اچانک الیزا کو کھانسی شروع ہو گئی۔ عماد نے اسے پانی پلایا مگر وہ پانی بھی باہر ہی آ گیا۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ عماد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ الیزا تڑپنے لگی اور..... جہانِ فانی سے کوچ کر گئی۔

"الیزا....."

اس وقت بھی عماد ایسے ہی چلایا تھا جیسے اب ٹرین میں بیٹھ کر چلایا۔ آس پاس کے لوگوں نے اسے دیکھا۔

"بیٹا کیا ہوا؟" ایک عورت نے پوچھا۔ "الیزا کون ہے؟"

"وہ میری بیوی تھی۔" عماد نے فقط اتنا کہا اور رخ پھیر لیا۔

ٹرین بہت تیزی سے چل رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

ٹرین کی پاں نے اسے جگایا۔ لاہور اسٹیشن آ چکا تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا تو لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ وہ بھی اپنا ایک شولڈر بیگ اٹھا کر ٹرین سے نیچے اتر گیا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرف جائے کہ اتنے میں ہی ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔ اچھا ہوا کہ وہ وقت پہ جاگ گیا تھا ورنہ وہ اتر ہی نہ پاتا۔

اسٹیشن سے رکشہ لے کر وہ انارکلی پہنچ گیا۔ اب سب سے مشکل کام فاروق نامی آدمی کو ڈھونڈنا تھا جو اس کٹنی عورت کے بقول ارم کے دور دراز کے ماموں یا خالو ٹائپ کچھ تھے۔ یہ کام مشکل تھا۔

وہ یوں ہی کتنی دیر محلے میں فاروق صاحب کے متعلق پوچھتا رہا۔ دو ہزار کے عوض اس عورت نے فاروق صاحب کا حلیہ اور کاروبار تک بتا دیا تھا۔ اس سے اسے یقیناً مدد ملنے والی تھی مگر یہاں تو کسی کو بھی اس قسم کے فاروق کا علم نہ تھا۔ تقریباً آدھا دن وہ یوں ہی خوار ہوتا رہا۔ تھک ہار کر ایک بنچ پہ بیٹھ گیا اور دکان سے لیا ہوا جوس پینے لگا۔

"سنیں انکل۔" بینچ کے دوسرے کونے پہ ایک بچی بیٹھی تھی۔ عماد نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"جی۔"

"آپ فاروق انکل کو ڈھونڈ رہے ہیں؟ جن کی اتنی لمبی داڑھی ہے؟" اس نے ہاتھ سے داڑھی کی لمبائی بتاتے ہوئے کہا۔

"جی جی۔ آپ انہیں جانتی ہیں؟" عماد نے پرجوش انداز میں پوچھا۔

"جی۔ وہ ہمارے گھر کے ساتھ والے گھر میں ہی رہتے ہیں۔ وہ بہت غصے والے ہیں۔ میں تو ان سے بات نہیں کرتی۔ وہ ہم سب بچوں کو ڈانٹتے ہیں۔ مجھے وہ بالکل پسند نہیں۔" بچی کے لہجے میں کراہٹ تھی۔ "آپ بھی ان سے نہ ملیں۔ وہ آپ کو بھی ڈانٹیں گے۔" اس نے عماد کو ایک ہمدردانہ مشورہ دیا۔

عماد ہلکا سا ہنس دیا۔ "نہیں وہ مجھے نہیں ڈانٹیں گے۔" اسے امید تھی یا وہ بس خود کو تسلی دے رہا تھا؟ "آپ مجھے ان کے گھر لے چلو۔"

"اوکے، جیسی آپ کی مرضی۔" بچی کو ابھی بھی عماد کی فکر تھی کہ اسے بھی فاروق صاحب سے صلواتیں ہی سننے کو ملیں گی۔

کچھ دیر چل کر وہ اپنی منزل پہ آ گئے۔

"یہ ہے ان کا گھر۔" بچی نے کہا۔

عماد نے جیب میں سے ایک چاکلیٹ نکال کر اسے دی۔ "اور یہ آپ کے لیے۔"

"شکریہ انکل۔" وہ بہت خوش ہوئی۔ عماد نے اسے پیار کیا۔ اسے بچے بہت پسند تھے۔

وہ چلی گئی تو عماد نے دروازے پہ دستک دی۔ تیسری دستک کے بعد اندر سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"آ رہی ہوں آ رہی ہوں۔ کیا کوئی مر رہا ہے جو ایسے دروازہ پیٹ رہے ہو؟" کڑوی..... کسیلی آواز.....

عماد ان کی بات سن کر حیران ہوا کہ اس نے تو آرام سے ہی دستک دی تھی۔

دروازہ کھل گیا۔

"کون ہو بھئی؟" وہ درمیانی عمر کی عورت تھی۔ سر تا پیر عماد کا جائزہ لیا جا چکا تھا۔

"میں عماد ہوں۔ یہ فاروق صاحب کا گھر ہے؟" وہ مؤدب انداز میں بولا۔

اپنے شوہر کا نام سن کر عورت قدرے سیدھی ہو گئی۔ اسے لگا کہ دفتر سے کوئی آیا ہے۔ عماد شکل وصورت سے ایسا ہی لگتا تھا۔

''ہاں۔'' اس بار آواز نرم تھی۔ ''کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

''جی وہ، میں کراچی سے آیا ہوں۔ کیا مس ارم یہیں رہتی ہیں؟ مجھے ان سے کام ہے۔ کیا آپ انہیں بلا سکتی ہیں؟'' عماد نے آنے کی وجہ بتائی تو عورت اپنے پرانے انداز میں آ گئی۔

''ارے واہ۔ فاروق صاحب (آواز دی) سنتے ہیں جی؟ ادھر تو آئیں۔ دیکھیں کون آیا ہے۔ آپ کی منہ بولی بہن کی بیٹی کا ایک اور عاشق ٹپک پڑا کوہ قاف سے۔ ارے آئیں بھی تو.....'' وہ اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔ عماد حیرت کا شکار تھا۔

اتنے میں فاروق آ گئے۔ ''کون ہو تم لڑکے؟'' داڑھی والے انکل کی شکل پہ سختی کا راج تھا۔

''ارے میں نے بتایا تو ہے۔ عاشق ہے بھی ارم بی بی کا۔ توبہ توبہ کیسے لچھن ہیں اس لڑکی کے۔'' عورت بولی۔

عماد نے بولنے کے کب کھولے۔ ''آپ کو غلط.....''

''بس بس بچے۔ ہم جانتے ہیں اسے۔ یہاں سے بھاگ گئی ہے اپنے عاشق کے ساتھ۔ نجانے کہاں منہ کالا کر رہی ہے اپنی مرحومہ ماں اور بھائی ہے۔ ہمیں بھی بدنام کر کے چلی گئی ہے۔ ہم شریف لوگ ہیں۔ میں تو کوستی ہوں اس دن کو جب ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ یہاں لائے تھے ہم۔'' وہ نفرت سے بولیں۔

''سنو لڑکے۔ آج تو تم یہاں آ گئے ہو پر آئندہ کبھی ادھر نہ آنا ورنہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہو گا۔ ارم مر گئی ہے ہمارے لیے۔ ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔'' فاروق صاحب سخت لہجے میں بولے اور دروازہ بند کر دیا۔

عماد کو ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

☆☆☆☆☆

عماد کے ذہن میں بہت سارے سوال پیدا ہو رہے تھے۔

''کیا ارم ایسا بھی کر سکتی ہے؟ کیا واقعی وہ کسی عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہو گی اور یہ رقم؟ کیا میں ایک ایک رقم لوٹانے کی خاطر اتنی دور تک آ گیا یا پھر کچھ اور تھا جو مجھے یہاں تک لے آیا؟'' اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

شام ہونے کو تھی۔ عماد لاہور کی سڑکوں پر تنہا گھومتا رہا۔ وہ بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ اسے اپنے آس پاس کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا مصیبت زدہ انسان اس دنیا میں اکیلا رہ جاتا ہے؟ کیا اس کا کوئی ہم درد نہیں ہوتا؟ اتنے میں ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر.....

بے شک جب ہر راستہ بند ہو جاتا ہے تو ایک راستہ اس وقت بھی کھلا ہوتا ہے جو سیدھا انسان کو اس کے رب سے ملا دیتا ہے۔ وہ آواز اسے اس کے رب کے حضور لے آئی۔ عماد مسجد میں آیا۔ وضو کیا اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے مغرب کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ سب سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اس کے بعد ارم کے لئے بھی دعا کی۔ آخر میں اپنے دلی سکون کے لئے بھی۔ وہ صرف ایک بار ارم سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ بہت رویا اور گڑگڑایا۔

اتنے میں ایک بزرگ اس کے پاس آئے اور عماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ عماد نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا میرے بچے؟ روتے کیوں ہو؟"

"میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ مجھے سزا مل رہی ہے۔" عماد نے روتے ہوئے کہا۔

"نہ نہ میرا بچہ۔ اللہ بس تمہیں احساس دلانا چاہتا ہے۔ تمہیں احساس ہو گیا اب توبہ کر لو اور یاد رکھو کہ توبہ کا خیال خوش قسمتی کی علامت ہے کیونکہ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بد قسمت ہے۔" بزرگ نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔"

"بس پھر دعا کرو اللہ تمہیں استقامت دے اس پہ۔" وہ کہہ کر اٹھ گئے۔

عماد کچھ دیر اور دعا کرتا رہا۔

☆☆☆☆☆

شام بالکل ڈھل چکی تھی اور لاہور شہر روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ ایسے میں اس کی زندگی بہت اندھیرے میں تھی۔ وہ سڑک پر چلتا اپنے آس پاس لگے اسٹالز کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے اپنی زندگی میں روشنی نظر آئی۔ جیسے بے رنگ زندگی میں کسی نے رنگ بھر دیئے ہوں۔ کالی چادر سے خود کو مرا ہوا چہرہ ارم کا تھا جسے عماد پہلی نظر میں پہچان گیا تھا۔ اس کا معجزوں پر یقین تو تھا مگر آج پہلی بار معجزہ ہوتے دیکھا تھا۔ جسے وہ اپنی دعاؤں میں مانگ رہا تھا وہ چہرہ بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ عماد اس کی طرف بڑھا مگر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ عماد نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ وہ ایک رکشے میں سوار ہوئی اور چل پڑی۔ عماد نے دوسرے رکشے میں بیٹھ کر اس کا پیچھا کیا۔

کچھ دیر تک تعاقب کرنے کے بعد وہ رکشہ ایک دارالامان کے سامنے رکا۔ ارم نے رکشے والے کو کچھ پیسے دیے اور خود اندر کو چل پڑی۔ عماد نے اسے اندر جاتے دیکھا۔ جب وہ رکشے والے کو پیسے دے کر فارغ ہوا تو اتنے میں ارم اندر کھو سی گئی تھی۔ وہ عمارت کے اندر داخل ہونے لگا۔

"آپ اندر نہیں جاسکتے۔ کیا کام ہے آپ مجھے بتا دیں۔" چوکیدار نے کہا۔ عماد کچھ دیر اندر کی طرف ڈھونڈتا رہا۔ اسے جیسے چوکیدار کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"صاحب آپ سے مخاطب ہوں میں۔ کن سے ملنا ہے آپ کو؟" اس بارے میں وہ ذرا سختی سے بولا۔ عماد نے اب چوکیدار کو دیکھا اور اس سے مخاطب ہوا۔

"میں مس ارم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کون مس ارم؟ یہاں کوئی مس ارم نام کی لڑکی نہیں رہتی۔ چلو بھائی جاؤ اپنا کام کرو۔" چوکیدار روکھے انداز میں بولا۔ عماد ایک بار پھر حیران ہو گیا کہ اسے ارم کا نام تک نہیں معلوم جو ابھی چند منٹ پہلے ہی اس کے پاس سے گزری ہے۔

"دیکھیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ یہاں شاید نئی آئی ہیں اسی لیے آپ ان کا نام نہیں جانتے ہوں گے۔ آپ ایک بار اندر سے پتا تو کریں۔"

"او بچے، لگتا ہے تم نے مجھے بیوقوف سمجھ رکھا ہے۔ میں پچیس سال سے یہاں چوکیداری کر رہا ہوں۔ ایک ایک چڑیا کا نام یاد ہے مجھے جو روز یہاں آتی ہے۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ خائف ہوا۔

"میں مس ارم سے ملنا چاہتا ہوں جو ابھی کچھ دیر پہلے اندر گئی ہیں۔" اس بار عماد ذرا غصے سے بولا۔

"اچھا اچھا یہاں سے اندر گئی ہیں۔ ہاں وہ خدیجہ بیٹی ہے۔ بہت نیک بچی ہے۔ بہت مشکل وقت سے گزر رہی ہے بچاری اللہ اس کی مشکلات آسان کرے۔" چوکیدار نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آمین۔" عماد نے دل ہی دل میں کہا۔

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" عماد نے کہا۔

"کون ہو تم؟ اور اس کے کیا لگتے ہو؟" چوکیدار کا سوال متوقع تھا۔

"میرا نام عماد ہے اور میں ارم..... میرا مطلب خدیجہ کے دور کا رشتے دار ہوں۔ میرے پاس ان کی ایک امانت ہے میں نے بس وہ لوٹانی ہے پھر میں چلا جاؤں گا۔" اس نے بتایا۔

"میں پتا کرتا ہوں۔" چوکیدار کہہ کر اندر چلا گیا۔

عماد کو امید تھی کہ اس بار اسے مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ بہت لمبا سفر کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ منزل اس کے سامنے تھی۔ وہ منتظر تھا۔

☆☆☆☆☆

دس منٹ کے وقفے کے بعد چوکیدار باہر آیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" عماد اس کے عقب میں چلنے لگا۔ اندر جا کر دائیں طرف ایک کمرے میں وہ دونوں چلے گئے جہاں خدیجہ پہلے سے ہی موجود تھی۔ چوکیدار باہر چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ارم کی نظریں سوالیہ تھیں اور عماد کی نظروں میں دعا کی قبولیت کا احساس تھا۔

"آپ کون؟" ارم نے بات کا آغاز کیا۔

"میں عماد ہوں۔ میں آپ کے بھائی کا دوست ہوں۔ دراصل اس نے ایک بار میرے پاس کچھ پیسے رکھوائے تھے کہ جب مشکل وقت آئے تو وہ لے لے گا۔ اس دن وہ میرے پاس پیسے ہی لینے آ رہا تھا کہ راستے میں اس کا....." وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔" میں آپ کی امانت واپس کرنے کراچی سے یہاں آیا ہوں۔ میں آپ کے گھر بھی گیا تھا مگر جنازے کی وجہ سے میں بات نہ کر سکا۔ اس وقت آپ سے بات کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ چند دنوں بعد میں پھر آیا تو آپ لاہور آ چکی تھیں فاروق صاحب کے ساتھ۔ میں وہاں بھی گیا مگر انہوں نے کیا کہ آپ....." وہ دانستہ رکا۔ ان کی بات وہ نہیں بول سکتا تھا۔

"کہ آپ..... کیا کہا انہوں نے؟ یہی کہ میں کتنی آوارہ ہوں جو اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہے اور انہیں بدنام کر گئی ہے۔" ارم کے لہجے میں دکھ تھا۔

"چھوڑیں انہیں۔ میں آپ کی امانت واپس کرنے آیا ہوں۔" عماد مدعے پہ آیا۔

"کون سی امانت؟ تم ہو کون؟ میں اپنے بھائی کے کسی عماد نامی دوست کو نہیں جانتی اور جو کہانی تم نے مجھے سنائی ہے میں اس پہ کبھی یقین کر ہی نہیں سکتی۔ میرے بھائی کے پاس اتنی دولت ہوتی تو وہ مجھے ضرور بتاتا اور....." وہ رونے لگی۔" اے اللہ، مجھے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اب اور؟ کاش..... کاش میں مر ہی جاتی۔ کاش اس فاروق انکل ہی مجھے مار مار کر....."

"کیا؟ کیا انہوں نے آپ کو مارا ہے؟" عماد کو دکھ ہوا۔

"میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے تمہیں اس سے کیا؟ مجھے کس نے مارا کس نے نہیں۔ تم کون ہو جو مجھ سے ایسے پوچھ رہے ہو؟" اسے غصہ آیا۔" تم اپنی کہانی کسی اور کو سنانا۔ مجھے کوئی امانت ومانت نہیں چاہیئے۔"

" صحیح کہا۔ میں کون ہوں یہ پوچھنے والا۔" وہ استہزایہ ہنسی ہنسا۔ وہ تو ان کی زندگی میں پتا نہیں کیسے آ گیا تھا۔ اس کا تو اس سب سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ نادر کی حرکت اس کے لیے بے سکونی کا باعث بنی تھی۔" اور آپ نے یہ بھی صحیح کیا مس ارم کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"ارم، تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟" وہ اپنا نام سن کر ٹھٹکی۔

''مجھے پتا ہے۔''

''تم مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو ورنہ پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔ میرے اندر اب اتنی برداشت باقی نہیں۔'' وہ بولی۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اس کی جھوٹی کہانی کام نہیں آئی تھی۔ پھر اس نے ارم کو ایک ایک بات بتا دی۔ بینک لوٹنا..... نادر کا قتل کرنا..... وہ لفافہ.....وہ فون کالز..... لوکیشن پتا کروانا..... گھر جانا.....لاہور آنا.....فاروق صاحب کا گھر..... مسجد.....دعا..... اور اب یہاں.....اس نے سب بتا دیا تھا۔ ارم کی بہتی آنکھیں کب کی رک چکی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہر دن اور رات میرے اندر پچھتاوا بڑھتا ہی رہا۔ میں بے سکون رہا اور اسی لیے میں یہاں ہوں۔ میری اس سب میں کوئی غلطی نہیں مگر میں..... آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ میں تو اس سب میں کوئی بھی نہیں ہوں۔ میرے اندر جو پچھتاوا ہے وہ پتا نہیں کس وجہ سے ہے؟ میں آپ کے بھائی کا دوست نہیں، نہ ہی کوئی اور رشتہ ہے آپ سے پھر.....ہاں شاید..... میں ابھی انسانیت کے معیار سے نیچے نہیں گرا۔ اسی لیے میں یہاں ہوں۔'' عماد نے کہا۔ ''یہ پیسے آپ کے بھائی اور ماں کو واپس تو نہیں لا سکتے پر..... شاید آپ کی کچھ مدد کر سکیں۔ میں چلتا ہوں۔'' اس نے بیگ سے لفافہ نکال کر ارم کے سامنے رکھ دیا اور جانے کے لیے مڑا۔ ''میں اس میں اِن ڈائیر کٹلی شریک تھا اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس سب کی تلافی کرنے کے لیے ہی میں یہاں آیا ہوں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ شاید مجھے ایسے ہی سکون نصیب ہو گا۔''

''ہم تینوں ہنسی خوشی رہتے تھے عماد۔ میں، امی اور بھائی.....'' ارم نے بولنا شروع کیا تو عماد رک گیا۔ ''ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ ہم بہت امیر تو نہیں تھے مگر ہمارا گزر بسر اچھا ہوتا تھا۔ آس پاس قیمتی رشتے ہوں تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ پھر..... پھر زندگی کے آسمان پہ کالے بادلوں نے بسیرہ کر لیا۔'' ارم بات کرتے کرتے وہیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔ عماد نے رخ موڑا اور اس کے برابر والے صوفے پہ براجمان ہو گیا۔ وہ اس کی کہانی سننا چاہتا تھا۔

''امی کو دل کا دورہ پڑ گیا اور وہی وہ دن تھا جب زندگی یکسر بدل گئی۔ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ہم ان کا فوری علاج کروا سکتے۔ بھائی نے کہیں نہ کہیں سے پیسوں کا بندوبست کر ہی لیا اور ہاسپٹل آنے کے بعد وہ پیسے لینے چلے گئے۔ بس وہ آخری بار تھا کہ میں نے اپنے بھائی کو زندہ سلامت دیکھا تھا۔ اس کے بعد نہیں۔'' اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''امی کی کچھ دیر بعد دیتھ ہو گئی اور مجھ پہ اصلی قیامت تب ٹوٹی جب بھائی کے قتل کی خبر بھی مجھے مل گئی۔ میرے گھر کے ہنستے صحن میں دو دو بے جان وجود لا کر رکھے گئے۔ وہ وجود، جن کے بغیر میں نے کبھی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں اکیلی رہ گئی۔ بالکل اکیلی..... پھر مجھے امی کی دور کی کزن اپنے ساتھ لے گئیں۔ فاروق صاحب کی بیگم۔ میں لاور آ گئی اور ایک دو دن تو وہ میرے ساتھ ٹھیک رہے اور پھر ایک رات کو..... میں نے اپنے قریب کسی کی موجودگی محسوس کی۔ میں ڈر کر اٹھ گئی۔ وہاں میرے سامنے.....'' اس کی آواز کانپنے لگی جیسے اسے وہ سب

سوچ کر ہی ڈر لگ رہا ہو۔ ''میرے سامنے فاروق صاحب تھے۔ وہ داڑھی والا انسان جو بہت نیک بنا پھرتا ہے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے کہنے لگا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ میری خاطر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مجھے اپنے پاس سائڈ ٹیبل پہ گلدان نظر آیا۔ میں نے فوراً گلدان ان کے سر پہ دے مارا۔ وہ ذرا چیخ کر پیچھے ہوئے کیونکہ گلدان بہت زور سے لگا تھا۔ ان کا خون نکل آیا۔ میں سہم گئی۔ اتنے میں ان کی بیوی آ گئی اور وہ سب دیکھ کر حیران پریشان..... پانچ وقت کے نمازی فاروق صاحب نے کہا کہ میں نے انہیں اپنی طرف مائل کیا ہے اور میں نے کہا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ انہوں نے طلاق دینے سے منع کیا تو میں نے غصے میں آ کر گلدان انہیں دے مارا۔ میں اتنی گری ہوئی ہوں۔'' اس نے انگلیوں سے آنکھیں صاف کیں۔ ''فاروق انکل نے کہا کہ مجھے ابھی اور اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے اور میں..... رات کے بارہ بجے بے گھر ہو گئی۔ بھلا ہو اس رکشے والے کا جس نے مجھے اس جگہ کا بتایا۔ میں نے یہاں آ کر سب سے پہلے اپنا نام بدلا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری پچھلی زندگی کا اثر اب آنے والی پہ قائم رہے۔ آج..... ایک اجنبی سے اپنا پرانا نام سن کر بہت عجیب لگا۔ پر تم سے مل کر احساس ہوا کہ دنیا میں اچھے لوگ ابھی زندہ ہیں۔ عماد تم یہ پیسے لے جاؤ۔ مجھے یہ نہیں چاہئے۔ مجھے اب زندگی میں بس سکون چاہئے جو مجھے یہاں مل رہا ہے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' ارم نے ساری بات کہی اور آخر میں لفافہ عماد کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ عماد نے لفافہ پھر سے ارم کے سامنے رک دیا۔

''یہ پیسے مجھے بھی نہیں چاہئے ارم۔'' عماد نے کہا۔ ''کیا میں آپ سے کچھ مانگ سکتا ہوں؟''

''میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے عماد۔'' ارم اداسی سے بولی۔

''کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟''

عماد کے سوال پہ ارم چپ.....

''میں آپ سے مخاطب ہوں۔ کیا آپ میری شریکِ حیات بننا پسند کریں گی؟ میں آپ کو بہت اعلیٰ معیار کی زندگی تو نہیں دے سکتا شاید لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس زندگی میں سکون اور خوشی ہو گی۔ شاید ایسے آپ کے غم دھل جائیں اور انجانے میں کیے گئے میرے گناہ کی تلافی ہو سکے۔'' عماد نے کہا۔

ارم چپ رہی۔

''خاموشی عورت کی ہاں ہوتی ہے۔ اگر اعتراض نہیں ہے تو ہاں میں سر ہلا دیں ورنہ میں چلا جاتا ہوں۔''

ارم نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

عماد کی خوشی دیدنی تھی۔

دارلامان کے منتظم سے بات کر کے وہ ارم کو لے گیا پر اس سے پہلے اسی جگہ پہ ان کا نکاح کروایا گیا۔ اسی دن وہ واپس کراچی کے سفر پہ روانہ ہو چکے تھے۔

کراچی تک کے سفر میں وہ تھک چکے تھے۔

زندگی کے سفر کی شروعات کرنے کے لیے وہ پر جوش تھے۔

ختم شد